R. No. 218657

Regd. No. 092

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

قیمت
سالانہ تین روپیہ
ایک پرچہ دس
نئے پیسے
تاریخ اشاعت

ANJUMAN

جلد ۲۲ - شمارہ ۱۴

ایڈیٹر - آل احمد سرور

۸ راپریل سنہ ۱۹۶۳ء

محمد بشیر الحق دسنوی

سالنامۂ کارواں — علوم وفنون کا معیاری رسالہ

اُردو زبان کے رسائل میں غالباً رسالہ کارواں کا سالنامہ آپ اپنی مثال ہے کیونکہ جہاں تک میری واقفیت کام کرتی ہے اس سے پہلے اُردو زبان کے کسی رسالہ کا صرف سالنامہ کبھی بھی شایع نہیں ہوا۔

کارواں بڑی تقطیع (۷½ × ۱۰½) کے ۲۳۴ صفحوں پر بہترین کاغذ کتابت طباعت اور تصاویر کے ساتھ سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں پروفیسر تاثیر کی ادارت میں شایع ہوا اور اس کا دوسرا سالنامہ ۱۹۳۴ء میں مجید ملک نے ۲۵۲ صفحوں پر نکالا۔

سنہ ۱۹۳۳ء کے سالنامے میں ۵۰ مضامین نثر و نظم اور ۴۱ تصاویر ہیں اور سنہ ۱۹۳۴ء کا سالنامہ ۴۴ مضامین نثر و نظم اور ۳۸ تصاویر کا حامل ہے۔ سنہ ۱۹۳۴ء کا سالنامہ بھی کاغذ کتابت، طباعت اور تصاویر کے لحاظ سے بہت ہی اعلیٰ پایہ کا ہے۔ سنہ ۱۹۳۳ء کے سالنامے کی قیمت ۱۲؍ اور سنہ ۱۹۳۴ء کے سالنامے کی قیمت ۱۲؍ ہے۔ آج کل کے لحاظ سے ان خوبصورت اور خوب سیرت سالناموں کی قیمت پندرہ پندرہ روپے بھی کم ہی ہے۔

یہ دونوں سالنامے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے اصلاح لائبریری دسنہ کلکشن میں محفوظ ہیں۔

سردست صرف ۱۹۳۳ء کے سالنامے کے متعلق یہ مضمون سپرد قلم ہے۔ اس سالنامے میں سب سے پہلے ایڈیٹر کی طرف سے "سخنہائے گفتنی" کے عنوان سے چار اوراق میں مضمون ہے اس کا جستہ جستہ اقتباس نذر ناظرین ہے:

اقتباس سخنہائے گفتنی

رسالوں کے اس عالمگیر وبا میں کسی نئے رسالے کے اجرا کے وقت افتتاحیہ نگار کو بڑی دلائل آفرینی سے کام لینا پڑتا ہے۔ بالخصوص جب حالت یہ ہو کہ بیشتر رسائل میں محض سرورق کا فرق ہوتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اجمال تفصیل طلب ہے۔ ملک میں نامور ادیبوں کی تعداد کم ہے اور رسالے بہت زیادہ ہیں ہر ایڈیٹر ہر ماہ بے مزہ مضامین کا مطالبہ کرتا رہتا ہے اور ہمارے لکھنے والے ہر بار انکار کرنا شرط مروت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے اچھے ناموں سے بُرے مضامین کی کثرت ہو گئی ہے بیشتر ایڈیٹروں کو سلیقہ نہیں کہ آئے ہوئے مضامین کو پرکھ سکیں... تصاویر کا معاملہ اور بھی ٹیڑھا ہے... ادبیات اور فنون لطیفہ دونوں سے شغف رکھنے والے لوگ بہت کم ہیں... ایڈیٹر حضرات کسی غیر ایڈیٹر سے مشورہ لینا کسر شان تصور کرتے ہیں... تصویریں دیکھنے کا شوق ہر کسی کو ہے... مگر اس دیکھنے کے شوق کے باوجود سمجھنے کا شوق بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے... ہمارے رسائل تصاویر پر صحیح تنقید تو کیا کرتے مصور کا نام تک نہیں بتا سکتے اور بے خبری کی بنا پر بہزاد اور بوٹیچلی کے شاہکاروں کے ساتھ ساتھ فرقہ اور درما کی بیہودگیاں بھی شایع کرتے رہتے ہیں۔ دیکھنے والا کوئی معیار قایم نہیں کر سکتا اور تصاویر کی اشاعت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ان سفلی جذبات کی پرورش ہوتی رہتی ہے...

چغتائی آج کل انگلستان اور فرانس سے ہوتے ہوئے اٹلی میں مقیم ہیں۔ آپ کے اس سفر کا سب سے بڑا مقصد عمر خیام کی اشاعت ہے... کس قدر مسرت کی بات ہے کہ... برٹش میوزیم لندن نے ان کی دو تصاویر خریدی ہیں۔ رائل اکیڈمی اپنی نمائش میں ان کی تصاویر کو عزت کی جگہ دے رہی ہے... ہم ادب کے نوادر بھی شایع کر رہے ہیں۔ مولانا آزاد مرحوم کا ڈرامہ [illegible] مرحوم کی نظم، اکبر مرحوم کا خط غیر مترقبہ نعمتیں ہیں... نواب نصیر حسین خیال کی زیر طبع کتاب "داستان اُردو" کا ایک باب "محکوم کا اثر حاکم پر" نایاب چیز ہے... ابو الاثر حفیظ جالندھری کی نظم "چنگیز اور اقبال" اُردو ادب میں اپنی قسم کی پہلی چیز ہے...

ہم شاہنامۂ اسلام حصّہ دوم سے "نغمۂ صحرا" بھی شائع کر رہے ہیں۔ ... ایک شام کو ہم چار، تاثیر، چغتائی اور اُن کے دو بھائی حضرت علامہ (اقبال) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جاتے ہی غیر مطبوعہ اُردو کلام کا مطالبہ شروع کر دیا... کارواں کے نکالنے کا آپ ہی نے مشورہ دیا تھا، آپ کا غیر مطبوعہ اُردو کلام نہ ہوا تو ہماری نیاز مندی لوگوں کی نظروں میں مشکوک ٹھہرے گی۔ ہم کچھ کچھ کے کہ اُٹھیں گے۔ حضرت علامہ... کہنے لگے اُردو میں شعر نازل ہی نہیں ہوتے۔ ہم نے دلائل بازی میں شکست ہوتی دیکھ کر نیاز مندی کو سہارا بنایا اور "اُردو غزل لے کر اُٹھیں گے" کی رٹ لگانی شروع کر دی... یکایک حضرت علامہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا اگر تم اس حلقے کے سرخیل ہو اور شاعر ہو اپنے اشعار سناؤ، شاید طبیعت کو ہی بازل جائے۔ میری خاموشی پر حضرت علامہ بولے "بھئی کچھ سناؤ گے تو شاید تمہاری قسمت کی کوئی چیز ہو جائے"... اس پر چغتائی صاحب کہہ اُٹھے "وہ سمجھا تھا میں والی غزل" سنا دو... میں... نے ایک مطلع پڑھا پھر دوسرا۔ علامہ اقبال اس کا ایک مصرع "تم کو اپنی زندگی کا آسرا سمجھا تھا میں" دہرانے لگے۔ مجھے کچھ تسکین ہوئی۔ آخری شعر پر مجھے خود یقین تھا ؂

زلف آوارہ، گریباں چاک اے مستِ شباب\
تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا میں

حضرت علامہ... کہنے لگے زمین اچھی ہے۔ "خدا" کا قافیہ کیوں چھوڑ دیا اور کچھ چپ ہو گئے۔ فکرِ شعر میں سر جھکا لیا ... بولے اگر قافیہ بدل دیا جائے تو؟ میں فوراً بولا "تو بہتر ہوگا" ... حضرت علامہ کہنے لگے دیکھو... مقطع ہی سہی ؂

عرصۂ محشر میں میری خوب رسوائی ہوئی\
داورِ محشر کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں

یہ شعر کہہ کر علامہ کچھ رُکے دو تین منٹ تک اور پھر یہ حالت تھی کہ میں تعقل نہیں کر چکا تھا کہ ایک اور شعر تیار ہوتا... جوں جوں شعر ہوتے جاتے علامہ کی حالت بدلتی جاتی تھی... آواز میں لرزش سی آگئی... اور اس شعر پر ؂

تھی وہ اک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک\
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

وہ بھی رو رہے تھے اور ہم بھی!... مطلع کے متعلق حضرت علامہ نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ یوں کر دیا جائے ؂

اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں\
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

گرمیں نے تعمیلِ ارشاد نہ کرتے ہوئے اس فیضانی لمحے کی یادگار کو جوں کا توں رہنے دیا۔" کارواں کے افسانوں، تنقیدوں، نظموں، غزلوں، تصاویر سب کا مقصد ایشیائی تہذیب کا احیاء اور ہندوستانی علوم و فنون کو فروغ دینا ہے۔ ہم نے مغربی تصانیف کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ وہاں کی تازہ مطبوعات کی تفصیلات ہم پہنچاتے ہیں... کہیں کہیں وضاحت سے ادیبوں اور رہنماؤں کی توجہ اس امر کی طرف دلائی ہے کہ ہمیں مغرب کے ادب و تہذیب سے "خذ ما صفا و دع ما کدر" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے استفادہ کرنا چاہیے۔ کئی کتابوں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا موضوع ہمارے ادب میں منتقل ہو سکتا ہے...

مصوری، سنگ تراشی، تعمیر اور خطاطی پرانے بصارتی فنونِ لطیفہ ہیں، دورِ حاضر میں فوٹوگرافی بھی ان میں شامل ہونے کے لئے کوشاں ہے... فوٹو کی ایجاد نے پرانے انداز کی مصوری کو بے کار کر دیا ہے۔ برین کوسی کی میڈم پوگنی کی شبیہ اس ردِّعمل کا انتہائی نمونہ ہے... فوٹو بنانے والے نئے نئے زاویوں سے، روشنی کی مختلف جھلکیوں سے، سایہ اور نور کے تضاد سے اپنے فن کو فنونِ لطیفہ سے ملا رہے ہیں۔ ہم چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جن میں تصویری رنگ پایا جاتا ہے۔ ایک صبح کا منظر ہے۔ کھجوروں کے تنے اور پتے جن میں سے نور چھن چھن کر آ رہا ہے، مغل عمارتوں کے ستونوں اور جالیوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ شام کے فوٹو میں جاپانی مناظر کا دھندلکا ہے۔ ایک فوٹو ترکستان کی چار عورتوں کا ہے جو بالشویک کانگریس میں نمائندہ بن کے آئی ہیں۔ ایک فوٹو دو غمگسار سیبوں کا ہے اور ایک سالومی (ایشیائی شاعری کے خونخوار معشوق کی تمثیل) کا رقص ہے۔ ان شبیہوں میں نور اور سایہ کا انتظام غیر معمولی طور پر واضح ہے۔ کیا عکاسی فنونِ لطیفہ میں شمار ہونے لگے گی؟ اس کا یقینی جواب فی الحال ناممکن ہے۔ اگر انسانی دل و دماغ پتھر اور برنجی جیسے سخت مواد کو تراش ڈھال کر ایسی چیز بنا سکتا ہے جو "انڈرش کے شکاری کتوں" کی مورت میں اور "بال مِن شپ" کی رقاصہ اور "ہرنوں" والی مورت میں پائی جاتی ہے تو کیا عجب ہے کہ کیمرہ کی مشین سے بھی حسن کی تخلیق ہو سکے! یہ فن بھی نیا ہے اور بہت مخفی امکانات کا حامل ہے۔"

ہم نے اس اشاعت میں پنجاب کے چار مصوروں کا کام شائع کیا ہے... چغتائی صاحب... کی شہرت بین الاقوامی ہے... ان کا مبدأ فیض قدیم ایرانی مصوری ہے۔ مسٹر قادری... بھی اسی انداز خیال کے ہیں۔ مسٹر اصغر بھی چغتائی کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں مگر ماسٹر اللہ بخش اصلی معنوں میں پنجابی ہیں۔ عوام میں ان کی "کرشن رادھا" کی تصاویر بہت مقبول ہیں مگر ان کی اصلی خصوصیت پنجاب کی دیہاتی زندگی کی آئینہ داری ہے۔

سخنہائے گفتنی کے پہلے فہرستِ مضامین و تصاویر ہے اور اس کے بعد علامہ سر محمد اقبال کی اُردو غزل مرصّع حواشی کے اندر شائع کی گئی ہے۔ یہ غزل وہی ہے جس کو علامہ نے فی البدیہہ کہا تھا اور جس کا تذکرہ سخنہائے گفتنی میں آچکا ہے۔

۱۹۳۳ء کے سالنامے میں جو اہم اور قابلِ قدر مضامین ہیں ان کی فہرست یہ ہے:

(۱) جاوید نامہ۔ علامہ اقبال کی تازہ ترین تصنیف پر ایک مستند مضمون (ص ۹ تا ۲۰) از چودھری۔ (باقی صفحہ ۸ پر)

ہماری زبان

۸ر اپریل ۶۳ء

شری گاڈگل اور مولانا آزاد

انڈین ایکسپریس میں کچھ دن ہوئے شری گاڈگل سابق گورنر پنجاب کی ایک تقریر شائع ہوئی تھی جس میں انھوں نے کہا تھا کہ "پندرہ برس کا جو وقفہ دستور میں ہندی کی ترقی کے لئے رکھا گیا تھا وہ کافی ہوتا اگر مولانا آزاد ہندی سے گھبراہٹ ظاہر کرتے"۔

مولانا کی علمی، انتظامی اور تعلیمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ اس کے باوجود ان میں ہندی کے لئے وہ گہری محبت نہیں تھی جو ہونی چاہئے تھی اور مرکزی حکومت نے جو فضا پیدا کردی اس کی وجہ سے ہندی حقیقی معنوں میں کوئی ترقی نہیں کر سکی۔"

مولانا پر کھلا ہوا الزام ہے اور ہمیں حیرت ہے کہ مولانا کے قریب رہنے والوں اور حکومت کے ذمہ دار حضرات نے اس کی تردید کیوں نہیں کی۔ مولانا نہ صرف ہندی کے مخالف نہیں تھے، بلکہ انھوں نے موت سے ایک ہفتہ پہلے اردو کانفرنس دہلی میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم کی موجودگی میں صاف صاف کہا تھا کہ ہندی کو وہ جگہ مل چکی جس کی وہ مستحق تھی اور اب ہمارا یہ فرض رہ جاتا ہے کہ دوسری قومی زبانوں کی طرح اردو کو بھی وہ جگہ مل جائے جس کی وہ مستحق ہے۔

یوں تو ہندی نے گزشتہ پندرہ سال میں بہت ترقی کی ہے۔ کئی ریاستوں میں وہ سرکاری زبان ہے۔ مرکز میں بھی انگریزی کے ساتھ اس کا استعمال بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ دراصل صرف یہ ہے کہ پندرہ برس کے بعد دستور کی ہدایت کے مطابق انگریزی کو ہٹانے اور صرف ہندی کو رکھنے کی تجویز تھی، مگر اس سلسلے میں کئی دقتیں پیش آئیں۔ اوّل تو جنوبی ہند اور بنگال میں انگریزی کو ہٹانے کی سخت مخالفت ہوئی، دوسرے باوجود مرکز اور ریاستوں کی کوشش کے، علمی، انتظامی اور عام ضروریات کے لئے ہندی میں تمام کتابیں تیار نہ ہو سکیں۔ مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ہندی کے نادان دوستوں نے ہندی کو سنسکرت کے قریب لانے کے لئے ایک مشکل اور مصنوعی زبان استعمال کرنی شروع کردی جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس کا اب ردّ عمل ہو رہا ہے اور ہندی کو آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس سے اچھے نتیجے نکلنے کی امید ہے۔ دراصل اتنے بڑے ملک کے لئے کوئی ایک زبان رائج کرنا اور سب کو اس پر راضی کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہندی کے پریمیوں کو جنوبی ہند اور بنگال کے لوگوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے کیونکہ اگر ان کو ساتھ لینا ہے تو ان کی سہولت کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ مولانا آزاد کا بھی طریقۂ کار تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندی کسی پر لادی نہ جائے بلکہ لوگ اُسے خوشی سے قبول کر لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ دوسری زبانوں کے ساتھ بھی انصاف ہو۔ افسوس ہے کہ وہ دور اندیشی، رواداری اور بلند نظری کو شری گاڈگل جیسے لوگ کوتاہی سمجھتے ہیں۔ مولانا کی نظر میں پورا ہندوستان تھا۔ وہ سارے ملک کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ شری گاڈگل صرف ہندی کے حامیوں کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ایک قومی معمار کی عظمت کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔

سیربین

یہ دور کمیٹیوں کا ہے۔ کوئی مسئلہ ہو، کوئی موضوع زیر بحث ہو، پہلے اس کے لئے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ اگر وہ آل انڈیا قسم کی کمیٹی ہے تو سب سے پہلے وہ ایک سوالنامہ تیار کرتی ہے جو سارے ہندوستان میں متعلقہ حضرات کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خاص خاص مقامات کے دورے کا پروگرام بناتی ہے۔ دورے کے پروگرام میں علاوہ کام کی باتوں کے قابل دید مقامات کی سیر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ پھر میزبان بھی یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ مہمانوں کو چائے اور کھانے پر بلائیں۔ اگر ممبروں میں کچھ مشہور مقرر ہیں جنھیں اپنی آواز اچھی لگتی ہے تو ان کی تقریریں بھی رکھی جاتی ہیں۔ اس طرح کئی مقامات کی سیر کے بعد سکریٹری کو حکم ہوتا ہے کہ وہ سوالناموں کے جوابات ترتیب دے کر ان کا خلاصہ تیار کرے۔ اس کے بعد ممبران اپنی سفارشات کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اگر گرمی کا موسم ہے تو عام طور پر کشمیر یا کسی اور پہاڑی مقام پر یہ اجلاس رکھے جاتے ہیں۔ اس طرح جب سال ڈیڑھ سال گزر جاتا ہے تو رپورٹ لکھی جاتی ہے۔ یہ رپورٹ عام طور پر سکریٹری لکھتا ہے جو ایک سرکاری ملازم ہوتا ہے۔ اس پر دستخط کرنے کے لئے پھر لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اتنے ہفت خواں طے کر کے کمیٹی کی رپورٹ حکومت کی خدمت میں بھیج دی جاتی ہے اور حکومت اس پر غور کرنے کے لئے ایک اور کمیٹی مقرر کر دیتی ہے۔

کمیٹیوں کی وبا اب اتنی بڑھ گئی ہے کہ یونیورسٹیوں میں، دفاتر میں، میونسپل بورڈ میں ہر کام کے لئے علٰحدہ علٰحدہ کمیٹیاں بنی ہیں۔ جب کوئی بڑا مسئلہ آتا ہے تو پہلے اس پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی جاتی ہے۔ اکثر اس کی رپورٹ میٹنگ کے دن ممبروں کو دی جاتی ہے وہ اس پر غور کرنے کے لئے وقت مانگتے ہیں اور میٹنگ ملتوی ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد جب دوبارہ میٹنگ ہوتی ہے تو کچھ لوگ سارے بنیادی سوالات پھر سے اٹھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی کمیٹی کی رپورٹ ایک چھوٹی کمیٹی کے سپرد کر دی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ اس لئے جلدی سے مان لیا جاتا ہے کہ مزید تاخیر میں رسوائی کا خطرہ ہوتا ہے۔

جمہوریت کو کچھ لوگ کمیٹی کے ذریعے حکومت کہتے ہیں۔ علی گڑھ کے ایک پرانے گنہگار قاضی جلال الدین کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا کی ساری زبانیں اردو سے نکلی ہیں۔ چنانچہ ڈیکلوریشن، ڈیکلو، ریشان، وایوادوسی۔ واہ واہ ویسے ہی کی بگڑی ہوئی شکل قرار دیئے گئے تھے۔ کمیٹی کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ لفظ کام جیٹی سے بنایا گیا ہے۔ ہمیں تو اب یقین ہو چلا ہے کہ قاضی جلال الدین مرحوم بڑے پہنچے ہوئے آدمی تھے، اور ان کی نظر بڑی دور تک جاتی تھی۔

شاخ انجمن ترقی اردو گلبرگہ کے انتخابات

نام بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۷۵ء مقرر تھی۔ مقررہ تاریخ تک صدر، نائب صدر اور معتمد کے عہدوں کے لئے ایک ایک ہی نام پیش ہوا اس لئے مندرجہ ذیل حضرات بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

(۱) جناب مولوی عبدالوہاب صاحب (بی اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ) صدر

(۲) جناب مولوی برکت الحق صاحب قریشی ایم اے لکچرر۔ نائب صدر

(۳) جناب مولوی خورشید حسن صاحب بی ایس سی ایل ایل بی ایڈوکیٹ معتمد

(محمد عبدالرحیم اردو ایڈوکیٹ، کنوینر)

انجمن ترقی اردو۔ بمبئی

۱۷ مارچ کو صابو صدیق ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ میں انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کی طرف سے اخترالایمان کے اعزاز میں ایک عصرانہ اور استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔ یہ تقریب اخترالایمان کو ان کی کتاب "یادیں" پر ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملنے کا نتیجہ تھی۔ اس تقریب میں اخترالایمان کے علاوہ سردار جعفری۔ ڈاکٹر نشاط قرۃ العین حیدر۔ سکندر علی وجد۔ مولانا مہر محمد خاں شہاب۔ پرنسپل دسنوی۔ باقر مہدی۔ اعجاز صدیقی اور دوسرے ادیب و شاعر شریک تھے۔

اس سے قبل بی۔ آر۔ چوپڑہ نے اخترالایمان کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی تھی جس میں صرف ادیب و شاعر اور چند فلمی شخصیتیں مدعو تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس تقریب کی جلسے میں زیادہ ادیبوں اور شاعروں نے شرکت نہیں کی۔

اعجاز صدیقی کی تعارفی تقریر کے بعد سردار جعفری نے اخترالایمان کی شاعری کا مختصر مگر نہایت جامع جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ اخترالایمان کے ساتھ مبارکباد کے مستحق ساہتیہ اکیڈمی کے وہ ممبر بھی ہیں جنھوں نے ایک نئی نسل کے شاعر کو اس اعلیٰ ادبی اعزاز کے لئے منتخب کیا۔ ساہتیہ اکیڈمی کی اردو کمیٹی کے ممبروں کی اکثریت یونیورسٹیوں کے اساتذہ پر مشتمل ہے اور ان کا رویہ اردو شاعری کی جدید نسل کے ساتھ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں رہا ہے اس لحاظ سے اخترالایمان کے اس انعام کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

آخر میں اخترالایمان نے اپنی شاعری کے بارے میں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں انھوں نے اپنی شاعری کے نقطۂ نظر اور نئے تجربوں کی وضاحت کی اور بعد میں انھوں نے اپنی دو تازہ نظمیں بھی سنائیں۔

انجمن تعمیر اردو دلی

۳۱ مارچ کو شام کے سات بجے انجمن تعمیر اردو دلی کے زیر اہتمام دلی کے اردو ادیبوں و شاعروں کی جانب سے ایک عام ادبی جلسے میں اخترالایمان کا خیر مقدم کیا گیا اور ایک سپاس نامہ مبارکباد و استقبالیہ پیش کیا جن کے مجموعہ کلام "یادیں" کو اس سال ساہتیہ اکیڈمی نے پانچ ہزار روپے کا قومی انعام دیا ہے۔

سپاس نامہ میں کہا گیا تھا کہ "اس سال کا نیشنل ایوارڈ اردو تصنیف پر ساہتیہ اکیڈمی نے صحیح طور پر نئے رجحانات کے عکاس اور نوجوان اہل قلم و طرز فکر کے صحت مند اور مستحق نقیب کو دیا ہے جس میں تمام نوجوان فنکاروں کا اعزاز ہے۔"

سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے اخترالایمان صاحب نے ادیبوں کو توجہ دلائی کہ آج کا ہندوستانی ادیب باوجود بہترین سرمایۂ ادب کی پیش کش کے اپنی تصانیف کے سہارے آسودہ یا خود کفیل زندگی نہیں گزار سکتا۔ اردو دوست، حکومت، کالج اور ملک کی چالیس ہزار لائبریریاں اگر کتابیں خریدیں تو فنکار اپنی معاش کی فکر سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں ادب کی بالکل ثانوی اور ضمنی حیثیت ہوتی جا رہی ہے، اور ادب محض تفنن طبع کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔

اخترالایمان صاحب نے سامعین کے اصرار پر اپنی متعدد نظمیں سنائیں۔ آخر میں صدر جلسہ رشید حسن خاں نے صدارتی تقریر میں کہا کہ "اخترالایمان کی شاعری میں انفرادیت، انداز غور و فکر، اثر پذیری، حسن بیان، پرسکون داخلی تصور، پاکیزہ خیالی، سادگی میں پرکاری، نظم کی صحیح مزاج شناسی، تکنیک اور تخلیقی خود اعتمادی سب سے نمایاں اور محفوظ رہی ہے۔"

اختتام پر گلزار دہلوی نے اختر صاحب اور جملہ حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (سکریٹری)

ہمدرد دواخانہ (دہلی)

۳۰ مارچ کو ایجوکیشنل کلاسیز یونین ملازمین ہمدرد دواخانہ (دہلی) کی جانب سے ساہتیہ اکیڈمی کے انعام یافتہ جناب اخترالایمان صاحب کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ تقریب کی صدارت سید سجاد ظہیر نے فرمائی، جو ساہتیہ اکیڈمی کی انتخاب کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں اخترالایمان کی شاعری کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی جو انھیں دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ مثلاً اخترالایمان صاحب کی نظموں میں شاعرانہ ایمانداری، شاعرانہ خلوص اور انسانی رشتوں کو سمجھنے کی کوشش پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری ذہن کے راستے سے قاری کے جذبات کو متاثر کرتی ہے اور اسی لئے بقول غالب ان کا بھی انداز بیان دوسروں سے مختلف ہے۔ جلسے کے آخر میں مولانا قاضی سجاد حسین صاحب معاون متولی ہمدرد دواخانہ نے مہمانوں کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

(محمد سمیع صدیقی)

عزیز عرفان

چین سے خطاب

دوستی کے خون سے لبریز ہے تیرا سبو
تیرے مستقبل کے ماتھے سے ٹپکتا ہے لہو
تو نے دنیا میں اندھیرے ہی اندھیرے بھر دیے
آبگینے توڑ ڈالے، پھول غارت کر دیے
تو سمجھتا ہے کہ ایک دھمکی میں مر جائیں گے ہم
موت سے ڈرتے نہیں ہیں! تجھ سے ڈر جائیں گے ہم؟
شانتی کے نام پر یہ دعوتِ دار و رسن!
بیچتا پھرتا ہے تو اپنے پیمبر۱؎ کا کفن!
مردِ ہندی اب ترے دھوکے میں آ سکتا نہیں!
ٹوٹ سکتا ہے ہمالہ، سر جھکا سکتا نہیں!
بجلیوں کا زمزمہ ہے زلزلوں کا راگ ہے
جو سراپا رنگ و بو تھا اب مجسم آگ ہے
چین کی دیوار سے یہ آگ جب ٹکرائے گی
زرد سانپوں کی رعونت خاک میں مل جائے گی

رحمٰن جامی

زندگی ایک نغمہ

(سانیٹ)

زندگی اک حسین نغمہ ہے
سوزِ خود دمیِ محبت کا
زندگی اک حسین فسانہ ہے
انبساطِ غم و مسرت کا

حسرت و یاس کی ہے اک بستی
آرزوؤں کا شہر ہے اک دل
جس کی امید کے سہارے پر
لٹتی بستی رہی ہے اک محفل

زندگی کا عجیب ہے آہنگ
کیفیت ہے حسیں غزل کی سی
اک فسانہ طویل و دل کش ہے
جس کی پر کیف ہے فضا ساری

زندگی اک حسین فسانہ ہے
زندگی اک حسین نغمہ ہے

ندا فاضلی

"سحر"

سنہری دھوپ کی کلیاں کھلاتی
گھنی شاخوں میں چڑیوں کو جگاتی
ہواؤں کے دوپٹے کو اڑاتی...

ذرا سا چاند، ماتھے پر لگا کے
جھکی آنکھوں کو کاجل سے سجا کے
چنبیلی کی کلی بالوں میں ٹانکے

سڑک پر ننھے ننھے پاؤں دھرتی
مزے لے لے کے بسکٹ کو کترتی

سحر مکتب میں پڑھنے جا رہی ہے
دھندلکوں سے جھگڑنے جا رہی ہے

غزلیں

واحد پریمی

جو تاج والو! او جنتا کے امیں ہیں
وہ اہلِ نظر، صاحبِ فن جاگ اٹھے ہیں

جو بندۂ اخلاص، پرستارِ وفا ہیں
وہ تیشہ زن و کوہ شکن جاگ اٹھے ہیں

یہ سچ ہے کہ ہم خواب میں بے ہوش تھے لیکن
اب دیکھ کہ ہر دل میں لگن جاگ اٹھے ہیں

لٹنے نہیں دیں گے کبھی ناموسِ وطن کو
اس عزم سے اربابِ وطن جاگ اٹھے ہیں

ہر نوکِ قلم نوکِ سناں ہو گئی واحد
اب سارے ادیب، اہلِ سخن جاگ اٹھے ہیں

رحمان ساجد

تیز تر طلب کی دھڑکن ہے خدا خیر کرے
ذہن میں اک نئی الجھن ہے خدا خیر کرے

ہائے کیا چیز ہے اس دہر میں حق گوئی بھی
ایک عالم مرا دشمن ہے خدا خیر کرے

ایسی چھائی ہے طبیعت پہ اداسی ساجد
شہرِ دل آج فقط بن ہے خدا خیر کرے

نازش انصاری

چاندنی اور ستاروں کے سفر سے پہلے
تم نہ جاؤ ابھی للہ سحر سے پہلے
آج گردوں پہ دھویں کے ہیں یہ کیسے بادل
کس کی آنکھوں پہ گری برق اثر سے پہلے
انجمن صرفِ ظلمات ہوئی جاتی ہے
شمع کیوں بجھنے لگی نورِ سحر سے پہلے
آنکھ میں اشک نہ تھے اور نہ تھا درد جگر
زندگی کیف نہ تھی تیری نظر سے پہلے

۱؎ گوتم بدھ

ڈاقبال کرشن

ہمارا قومی ترانہ

ہمارا قومی ترانہ بنگلہ زبان میں ہے۔ یہاں اس کے
پہلے بند کا متن اُردو رسم خط میں لکھا جا رہا ہے۔

جَن گن من اَدھی نایک جَے ہے بھارت بھاگیہ ودھاتا ،
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا دراوڑ اُتکل بنگ
وندھیہ ہماچل جمنا گنگا اُچھل جلدھی ترنگ
تو شُبھ نامے جاگے ، تو شُبھ آشیش مانگے ،
گاہے تو جَے گاتھا۔
جَن گن منگل دایک جے ہے بھارت بھاگیہ ودھاتا۔
جَے ہے ، جَے ہے ، جَے ہے ، جے جے جے ، جے ہے۔

اُردو ترجمہ

اقلیم دل کے حکمراں ، کامراں ، تقدیر ہند کے پاسباں!
اوڑیسہ بنگا دیش گجرات دراوڑ مراٹھا پنجاب سندھ
وندھیا ہماچل گنگ و جمن چھلکتا ترنگتا بحر ہند
جاگتے ہیں تیرے شبھ نام سے ، مانگتے ہیں دعا تجھ ذات سے ،
اور ہوتے ہیں پھر وہ تیرے ثنا خواں۔
اے شادکار انساں ، کامراں ، تقدیر ہند کے پاسباں!
یا نصیر یا نصیر یا نصیر یا نصیر

مراسلات

برار میں اُردو

ہندوستان کے اُردو داں طبقہ کی صحیح ترجمانی انجمن ترقی اُردو (ہند) کرتی ہے ملک کے ہر بڑے شہر اور قصبے میں انجمن کی شاخیں قائم ہیں۔ لیکن برار کی بدقسمتی ہے کہ یہاں انجمن کی بہت ہی کم شاخیں قائم ہو سکی ہیں اور جو ہیں بھی وہ جمود کا شکار ہیں۔

آج سے پچیس سال پہلے جب انجمن کا دفتر اورنگ آباد میں تھا تو اس علاقہ میں انجمن کی سرگرمیاں تیز تھیں۔ ۱۹۳۳ء میں ۱۰ر مارچ کو حکیم مولوی اسرار حسین صاحب ناگپوری نے بابائے اُردو سے ان کے دولت کدے نادر منزل واقع سیف آباد میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں حکیم صاحب نے برار میں اُردو کی حالت زار کے متعلق کہا جس پر بابائے اُردو نے سید علی شبر صاحب حاتی بی۔ ایس سی (عثمانیہ) اور سید اسرار حسین صاحب (ورنگل) کو متوسط و برار کے دورے کے لئے روانہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلی رپورٹ جناب حاتی صاحب نے مرتب کی جسے انجمن ترقی اُردو (ہند) نے "صوبہ متوسط و برار میں اُردو کی حالت" کے نام سے شایع کیا۔

یہ قصہ ۱۹۳۳ء کا ہے۔ اس پچیس سال میں کئی انقلاب آچکے ہیں اور انجمن میں بھی کافی وسعت پیدا ہو چکی ہے لیکن علاقہ برار میں (باوجود مہاراشٹر ریاست میں اُردو کا ایک مقام ہونے کے) اُردو داں طبقے کی حالت قابل توجہ ہے۔ آج بھی برار کے چاروں اضلاع (امراؤتی، اکولہ، ایوت محل، بلڈانہ) میں کئی قصبے اور کئی گاؤں ایسے ہیں جہاں اُردو داں طبقہ کافی تعداد میں آباد ہے لیکن اُردو زبان کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ مثلاً ضلع اکولہ میں پیٹرسی، کھنوڑ بلڈانہ میں تیکوڑی وغیرہ۔ اور بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اُردو زبان کی تعلیم کا انتظام ہے مگر برائے نام مثلاً ضلع بلڈانہ کی تحصیل مہکر جہاں میونسپلٹی کے مدرسے میں تقریباً پونے دو سو طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں مگر تعلیمی حالت انتہائی خراب ہے۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مدرسے کے آٹھ مدرسین میں صرف ایک تربیت یافتہ مدرس ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ہی اور کئی مقامات بھی ہوں گے۔

پرلیشد کے بعض مدارس ایسے ہیں جو صرف ایک مدرس پر چل رہے ہیں جہاں اول تا سوم جماعتیں ہیں۔ چہارم جماعت کے لئے کوشش کرنے والے مدرسین حکام بالا کے عتاب کے شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر تعلیمی اداروں میں ایسے نا اہل بھی مقرر کر دئے جاتے ہیں جو صرف چوتھی جماعت تک پڑھے لکھے ہوتے ہیں جنھیں خود تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

انجمن کی وہ شاخیں جو برار میں قائم ہیں انھیں حرکت میں لانے کی ضرورت ہے اور جب تک مرکزی انجمن توجہ نہ دے اُن کا حرکت میں آنا ممکن نہیں۔

(جہانگیر۔ جوہر پاتوری)

بے خود بدایونی

"ہماری زبان" مجاریہ ۸ر مارچ ۱۹۶۳ء میں ایک سُرخی "بے خود اور اُن کی عقیدت مندی" نگاہ سے گزری۔ جناب سراج دھولپوری نے حضرت بے خود کے حالات اور تاریخ وفات نیز اسی قبیل میں دیگر استفسارات چاہے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض ضروری معلومات جو میرے حافظہ میں بزرگوں کی صحبت کے فیض سے محفوظ ہیں پیش کر رہا ہوں۔ حضرت بے خود بدایونی کی تاریخ وفات جناب جوش ملسیانی نے صحیح لکھی ہے۔ "انتخاب بیں" مرتبہ سر راس مسعود مطبوعہ شاہی برقی پریس حیدر آباد دکن ۱۹۳۳ء میں حضرت بے خود کی سوانح حیات، تاریخ وفات اور جائے مدفن درج کی گئی ہے۔ نسخۂ مذکور فی الوقت میرے سامنے نہیں ہے ورنہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ پیش کرتا البتہ واضح طور پر ایسا حافظہ میں ہے کہ پچاس سال کی عمر میں ۱۹۱۲ء میں بمقام بدایوں حضرت بے خود نے وفات پائی اور خانقاہ نظامی کے چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ حضرت بے خود مرحوم کی بعض غزلیات راقم الحروف کے پاس اس رشتہ سے موجود ہیں کہ مرحوم راقم السطور کے نانا کے خواجہ تاش بھائی تھے۔ نانا مرحوم کے استاد بھائیوں کے خطوط اور دیگر کاغذات کے ذخیرہ میں حضرت بے خود بدایونی، جناب سائل دہلوی، احسن مارہروی، عزیز یار جنگ عزیز، منشی نارائن پرشاد مہر گوالیاری، منشی حب لال صاحب رعد لکھنؤ، حکیم مہدی حسین الم حیدر آبادی، نواب امیر حسن علی خاں امیر حیدر آبادی ان تمام شاگردان داغ کے خطوط اور ان کا اکثر کلام جو ایک دوسرے کو تفریح طبع کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۴۸ء تک بغیر کسی دیکھ ریکھ کے میرے گھر کے پرانے کاغذات کے ساتھ ایک الماری میں بند رہا اور اس نایاب ذخیرے سے صرف دیمک اور جھینگر استفادہ کرتے رہے۔ بہرحال جب کرم خوردہ کاغذات میرے ہاتھ لگے تو جہاں جہاں سے ممکن ہو سکا ان کاغذات کی چھٹ بندی کرا کے محفوظ کیا۔ چنانچہ دو چار غزلیں مخصوص حضرت داغ کے رنگ میں جناب بے خود کی بھی مل سکیں جو ۱۹۰۲ء عیسوی سے ۱۹۰۴ء تک کی ہیں۔

(اختر علوی وارثی)

بقیہ: سالنامۂ کارواں ۔ علوم و فنون کا معیاری سالہ

(۲) تصاویر (ص ۳۳-۳۸) از حضرت تاثیر ایم۔ اے۔ (۳) مصوری اور اس پر تنقید (ص ۳۹-۴۱) از میاں عبدالرشید صاحب بی۔ ایس سی۔ (۴) تین نغمے حفیظ، ٹیگور، اقبال (ص ۴۴-۴۵) نظم۔ از ابوالاثر حفیظ جالندھری۔ (۵) "لا۔ صفر" سنڈے کے مصاحب کی ایک رات (ص ۴۷-۵۷) سید نذیر احمد ایم اے بی ایس سی۔ یہ مضمون ڈرامہ ہے جو مشتمل ہے چار مناظر پر۔ (۶) ایمبروس بیئرس۔ آسمانی سوار کا مشہور امریکی مصنف (ص ۵۹-۶۲) از نظامی قدوسی۔ ایم اے۔

(۷) آسمانی سوار (ص ۶۳-۶۸) از پروفیسر صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم۔ اے۔ (۸) جوشِ محبت (نظم)۔ (ص ۸۲-۸۳) مرحومہ ز۔ خ۔ ش۔ علی گڑھ۔ (۹) جدید ہندوستانی مصوری (ص ۸۵-۹۳) از میرزا احسن عسکری بی۔ اے۔ سیستانی۔

(۱۰) جدید تھیٹر اور ڈرامہ (ص ۹۷-۱۰۳) از جمیل الرحمٰن صاحب بی۔ اے۔ انصاری الٰہ آباد۔ (۱۱) اُردو شاعری کا مستقبل اور چند رکاوٹیں۔ (ص ۱۰۵-۱۰۸) از عبدالقادر صاحب سروری حیدر آباد۔ (۱۲) فنونِ جمیلہ کے آٹھ الواح (ص ۱۲۴) از محمد دین صاحب تاثیر ایم۔ اے۔ (۱۳) نغماتِ حیات (ص ۱۲۷) (۱۴) مرہٹی افسانوی ادب (ص ۱۳۵-۱۴۰) از مولوی غلام رسول صاحب حیدر آباد دکن۔ (۱۵) ہندوستان میں اسلامی فنِ تعمیر (ص ۱۴۱-۱۵۳) از مرزا ابوسلیم صاحب تاتاری، بانکی پور۔

(۱۶) عربوں کا علمِ موسیقی اور اس کا اثر یورپ پر (۱۵۷-) از صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم۔ اے۔ (۱۷) ڈرامہ ابوالحسن کا پہلا ایکٹ۔ (۱۹۷-۲۰۱) از مولانا محمد حسین آزاد مرحوم دہلوی۔ (۱۸) قصہ چہار درویش (ص ۲۰۵-۲۱۹) از پروفیسر محمود شیرانی لکچرر پنجاب یونیورسٹی۔ (۱۹) عبدالحلیم شرر۔ ایک الگ تنقید (ص ۲۲۱-۲۳۰) از پروفیسر فیاض محمود صاحب گیلانی ایم۔ اے۔ (۲۰) گوئٹے۔ (ص ۲۳۳-۲۴۰) از محمد اشرف صاحب بی۔ اے۔ (۲۱) زبان اور سیاسیات (ص ۲۴۱-۲۴۴) از غلام محی الدین صاحب زور لکچرر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن۔ (۲۲) محکوم کا اثر حاکم پر (ص ۲۴۵-۲۴۸) ادیب الملک نواب نصیر حسین خیال۔ (۲۳) مخاصمت (ص ۲۴۹-۲۵۱) مترجمہ محمود نظامی سکریٹری بزمِ فروغِ اُردو۔ اسلامیہ کالج لاہور۔ یہ افسانہ مشہور ترکی افسانہ نگار تقویم الممالک کی تصنیف ہے اور یہ ترجمہ ترکی سے براہِ راست کیا گیا ہے۔ تقویم الممالک عربی، فارسی، فرانسیسی اور انگریزی کے علاوہ اور کئی مغربی زبانوں میں مہارتِ تامہ رکھتا اور ان زبانوں کے شاہکار ترکی میں ترجمہ کرتا رہتا تھا۔ (۲۴) چینی کا مرتبان (ص ۲۵۳-۲۵۹) از غیر معروف جرنلسٹ۔

(۲۵) خیالِ ظلّ (ص ۲۶۷-۲۷۰) از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ (۲۶) استاد کمال الدین بہزاد۔ (ص ۲۷۴-۲۹۲) از مولوی محمد عبدالرشید ہنجانی۔ ایران کے علوم و فنون کا دورِ احیاء۔

(۲۷) اقبال، یورپ اور اقوام پرستی (ص ۲۹۳-۲۹۵) از رشید طارق

(۲۸) جدید ترکی ادبیات (ص ۲۹۷-۳۰۰) بیسویں صدی کی تحریکات پر ایک ترک نقاد کا اجمالی تبصرہ۔ از محمد ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے۔

مضامین مندرجہ بالا کے علاوہ اس سالنامے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے ادب پارے "گلستانِ جلی" کے رنگ میں مرتبین نے متفرق صفحوں میں اور متفرق صفحوں کے درمیان دے رکھے ہیں جو دلچسپی سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

مضمون کے شروع ہی میں لکھ چکا ہوں کہ اس سنہ ۱۹۳۳ء کے سالنامے میں ۲۴ تصویریں ہیں مگر بہت ہی نادر فوٹو میں ہیں۔

(۱) سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی تصویر۔

(۲) میر علی کے ہاتھ کی وصلی جو ترکی زبان کا کوئی شعر ہے۔

(۳) آقا عبدالرشید الدیلمی کے ہاتھ کی وصلی۔ عبدالرشید شاہ جہان بادشاہ کا مشہور خطاط تھا۔ وصلی کا شعر درج ذیل ہے:

اے دل ہمہ اسبابِ جہاں خواستہ گیر
باغِ طربت بسبزہ آراستہ گیر
وانگاہ بر آں سبزہ شبی چوں شبنم
بنشستہ و بامداد برخاستہ گیر

کارواں کی تمام تصاویر اور سرورق کی طباعت زنکو پریس ریلوے روڈ لاہور میں ہوئی تھی جس کے مالک منیجر اس وقت (۱۹۳۳ء) مسٹر محمد حسین تھے اور سالنامے کی طباعت کا کام مسلم پرنٹنگ پریس بیرون اکبری دروازہ لاہور نے انجام دیا تھا۔

کل مضامین کے اندراج کے بعد "یورپ کی جدید مطبوعات" کے عنوان سے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ہسپانیہ، اٹلی اور ناروے زبان کی چند کتابوں پر ریویو ہیں اور اس کے بعد "استدعا" ہے جس کا تھوڑا سا اقتباس درج ذیل ہے:

"استدعا"

کارواں سرتا پا حسن ہے گلہائے بوقلموں اور جواہر گوناگوں سے مرصع
عود ہندی سے بچی ہوئی فضائیں سرشار۔ جذبات آفریں اور تخیل پیما
بلند ایک ہی کیسے میں سب کچھ لیے چلا آرہا ہے ...

کارواں کی اشاعت کا مقصد

"اُردو زبان کو دنیا کی ممتاز ترین زبانوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے اور دنیا کی مستند زبانوں کا علم و ادب اُردو میں اعلیٰ معیار کے ساتھ جس میں کارواں کے لکھنے والوں کو خاص قدرت حاصل ہے منتقل کیا جائے گا۔ افسانہ، ڈرامہ، نظم، غزل، آرٹ، جمالیات، تنقید اور تحقیق پر دنیا کے بہترین اہلِ علم حضرات کا نقطۂ نگاہ پیش کرنا ہوگا اور اُردو والوں کو ہر شعبۂ وقت کے ادب اور فنون سے آگاہ کرنا ہوگا۔"

... کارواں کے موجودہ پرچے میں بیشتر تصاویر عجائب خانوں کے مہتمم، مصوروں اور دیگر ذرائع سے جمع کیے ہوئے مجموعہ جات سے فراہم کرکے ... شائع کی جا رہی ہیں۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۳ء کے بعد کارواں کا کوئی سالنامہ شائع نہیں ہوا۔

راجستھان میں اُردو کی حق رسی

گورنمنٹ راجستھان نے ۱۹ر مارچ ۱۹۶۳ء کو ایک حکم جاری کیا ہے کہ آئندہ سے نشر و اشاعت کے لئے سرکاری زبان کے علاوہ ریاست کے جن ضلعوں یا تحصیلوں میں جو زبان بھی (اُردو، پنجابی، گجراتی، سندھی) کثرت سے بولی جاتی ہو اسے بھی کام میں لایا جائے تاکہ عوام اس کو زیادہ سے زیادہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ (نامہ نگار)

آٹھ اُردو اور پانچ ہندی ادیبوں کو سرکاری امداد

لکھنؤ ۹ر مارچ ریاستی اسمبلی میں وزیر تعلیم اچاریہ جگل کشور نے ایک سوال کے تحریری جواب میں بتلایا کہ حکومت اتر پردیش جن ادیبوں اور شاعروں کو قومی خدمت کے لئے مالی امداد دیتی ہے ان میں سے ۵ ہندی اور ۸ اُردو کے ادیب اور شاعر ہیں۔

وزیر تعلیم نے مزید بتایا کہ اس امر کے پیش نظر کہ ادیبوں اور شاعروں کے وقار کو ٹھیس نہ لگے یہ امداد پوشیدہ طور سے دی جاتی ہے اس لئے ادیبوں کے نام اور ان کو دی جانے والی مالی امداد کی تفصیل بتانا ممکن نہیں ہے۔

شاعر اور ادیب عوام کے حوصلے بڑھائیں

کان پور - ۲ر اپریل - وزیر اعلیٰ مسٹر سی - بی گپتا نے آج یہاں چینی حملہ آوروں کے ارادوں سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا - انھوں نے کہا کہ آئندہ چند ہفتوں میں ہمیں چینی حملے کے خلاف ہوشیار رہنا چاہئے۔

وزیر اعلیٰ کانپور ساہتیہ کار سنسد کے جلسے میں تقریر کر رہے تھے - انھوں نے مصنفوں، شاعروں اور سیاست دانوں سے اپیل کی کہ وہ سرحد پر ہونے والے ہر قسم کے واقعات کا علم رکھیں - انھوں نے کہا کہ ایمرجنسی میں آپ کا چوکنا رہنے اور مسائل کا حل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

انھوں نے کہا کہ اس وقت شاعروں اور ادیبوں کو آگے بڑھ کر عوام کے حوصلے بڑھانا چاہئیں۔

ٹیگور کے ڈرامہ میں رام گوپال کی اداکاری

پچھلے دنوں برسٹل میں ٹیگور کا ڈرامہ "کال کوٹھری کا بادشاہ" پیش کیا گیا، جس میں مشہور ہندوستانی ماہر رقص رام گوپال نے شاہ سورنا کا پارٹ ادا کیا جسے ناقدین نے بے حد پسند کیا۔

رام گوپال نے ڈرامہ میں کلاسیکی ہندوستانی ناچ بھی پیش کئے - اس ڈرامے میں حصہ لینے والے زیادہ تر برسٹل اولڈ وک تھیٹر اسکول کے طلبہ تھے، انھوں نے جو پُر جوش اور شاندار رقص پیش کئے اُن کی تیاری رام گوپال نے کرائی تھی۔

ادبی مباحث کے لئے پلیٹ فارم کی ضرورت

۲۴ر مارچ کو حیدر آباد کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ نے کی - ابتدا میں اس اجتماع کے داعی سلیمان اریب نے کہا کہ یوں تو حیدر آباد میں بہت سی انجمنیں قائم ہیں اور ادبی جلسے اور مشاعرے ہوتے رہتے ہیں، تاہم ایک ایسے ادبی پلیٹ فارم کی ضرورت ہے جہاں ادبی مسائل پر گفتگو ہو اور ادبی تخلیقات کا دوستانہ ماحول میں جائزہ لیا جائے - لیکن یہ محفلیں بالکل غیر رسمی انداز کی ہوں، اور کوئی باقاعدہ قسم کی تنظیم یا انجمن نہ بنائی جائے۔

مغنی تبسم نے کہا کہ نہ اس انجمن کا کوئی نام ہو اور نہ اس کی کوئی ممبر شپ ہو اور اس کا کوئی صدر یا سکریٹری بھی نہ ہو - یہ نشستیں صرف اس غرض سے ہوں کہ ہم ادبی مباحثہ کریں اور اچھی ادبی تخلیقات کی قدر شناسی کریں - اس بحث میں مخدوم محی الدین، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، اختر حسن، حسن عسکری، ڈاکٹر حسیم الدین کمال، عائشہ رشاد اور دوسرے اصحاب نے حصہ لیا اور یہ طے کیا گیا کہ ایسی نشست کم سے کم مہینے میں ایک بار ضرور ہونی چاہیے - نام اور دوسرے مسائل پر آئندہ اجتماع میں غور کیا جائیگا اس گفتگو کے بعد عزیز قیسی نے اپنی دو نظمیں سنائیں - یوسف سرمست اور ساجدہ عظیم نے مضمون اور عوض سعید اور لکشمی دیوی راج نے افسانے سنائے۔ (سلیمان اریب)

کم قیمت کی کتابوں کا نیا سلسلہ

حکومت برطانیہ نے سستی کتابوں کی اسکیم کے تحت کتابوں کی اشاعت کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کا نام "پریکٹیکل بکس" ہے - انگریزی زبان سیکھنے کی کم قیمت کتابوں کی طرح نئے سلسلے کی کتابیں بھی برطانیہ کے بڑے بڑے پبلشروں کے تعاون سے شائع کی گئی ہیں۔

نئے سلسلے کی پہلی کتاب کھاتہ نویسی کے فن سے متعلق ہے - اس کا نام Teach Yourself Bookkeeping ہے جو کاروباری اشخاص اور کامرس کے طلبہ کے لئے بہت مفید کتاب ہے۔

ایک اور کتاب ٹائپ سیکھنے والوں کے لئے پٹ مینز کالج نے مرتب کی ہے۔

[illegible]

ساہتیہ اکیڈمی

نئی دہلی میں ۱۳ مارچ کو وزیر اعظم نہرو نے ایک تقریب میں آٹھ ممتاز دانشوروں کو جنھوں نے مختلف ہندوستانی زبانوں میں اپنے فکری شاہکار پیش کئے تھے، ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے انعامات دئے۔ انعامات کی مستحق قرار دی جانے والی کتابوں میں اُردو شاعر اختر الایمان کا مجموعۂ نظم "یادیں" بھی شامل ہے۔

تقسیم انعامات کے موقع پر وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے جو ساہتیہ اکیڈمی کے صدر بھی ہیں، ایک مختصر تقریر میں کہا کہ زبانیں ایک دوسرے کے قریب آنے سے اور زیادہ مالا مال ہو جاتی ہیں اور یہ خیال کہ ایک زبان دوسری کو ہڑپ کر جائے گی سراسر غلط ہے۔ انگریزی جو برطانوی دور میں ایک عرصہ تک سرکاری زبان رہی اپنے ساتھ اس ملک میں نئے خیالات و تصورات لائی اور اس نے مختلف صورتوں سے ہندوستانی زبانوں کے فروغ میں مدد دی۔ وزیر اعظم نے کہا کوئی بھی زبان تنہا رہنے سے اپنا تنوع کھو بیٹھتی ہے۔

وزیر اعظم نہرو نے اپنی تقریر کے آغاز میں انعام پانے والے ادیبوں کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد ہندوستانی زبانوں کا ارتقا جتنی تیزی سے ہوا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اس وقت ملک کے اندر بہت بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں بعض بڑے اعلیٰ معیار کی ہیں۔ ساہتیہ اکیڈمی کی یہ کوشش ہے کہ مختلف ہندوستانی زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے اور ان میں مفاہمت پیدا کی جائے۔ وزیر اعظم نہرو نے کہا کہ اگر اکیڈمی دوسرے ملکوں کے کلاسیکی ادب کے ترجمے ہندوستانی زبانوں میں پیش کرے تو یہ ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔

بعد کو دانشوروں نے "موجودہ بحرانی دور میں تخلیقی ادب" کے موضوع پر مرکزی وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر کی صدارت میں ہونے والے ایک مباحثہ میں حصہ لیا۔

اس سال حسب ذیل ادیبوں نے ساہتیہ اکیڈمی انعامات حاصل کئے ہیں۔ مسٹر آنند شنکر رے (بنگالی) مسٹر وشنو پرشاد ترویدی (گجراتی) مسٹر اختر الایمان (اُردو) مسٹر پرشوتم دیشں پانڈے (مراٹھی) مسٹر بلونت گارگی (پنجابی) مسٹر گوماسندرم (تامل) مسٹر دی ستیہ نرائن (تیلگو) اور مسٹر دویودو نرسمہا شاستری (کنّاڈا) جن کا گذشتہ سال انتقال ہو گیا۔

اُردو کا تحفظ قومی فریضہ ہے

حیدرآباد میں ۲ اپریل کو شریمتی کسوتی دیوی ایم ایل اے میئر مجلس بلدیہ حیدرآباد نے اردو زبان کو ہندوستانیوں کا مشترکہ اور مقدس سرمایہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس زبان کی ترقی اور اس کا تحفظ ایک قومی فریضہ ہے۔ مسز کسوتی دیوی نے کہا ہے کہ قومی اتحاد اور یکجہتی کے قیام اور استحکام کے لئے اُردو زبان کو اہم پارٹ ادا کرنا ہے۔

ایک ممتاز اُردو صحافی کا انتقال

۳ اپریل کو کانپور کے ایک ممتاز اُردو صحافی خواجہ عبد السلام ایڈیٹر ہفتہ وار "صداقت" کا ۷۲ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا۔

خواجہ عبد السلام صاحب ایک مشہور سماجی کارکن تھے اور ترقی پسند خیالات رکھتے تھے۔ ۱۹۲۵ء سے "صداقت" کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

خواجہ صاحب کل بالکل تندرست تھے اور وزیر اعلیٰ مسٹر سی بی گپتا اور مرکزی وزیر مسٹر جگجیون رام کی آمد کے سلسلے کے متعدد جلسوں میں شرکت کی تھی۔ ۷۲ سال کی عمر ہو جانے پر انھیں مبارکباد دینے کی ایک تقریب کانپور کے جرنلسٹوں کی طرف سے کی جانے والی تھی لیکن وہ اس تقریب کے ہونے سے قبل انتقال کر گئے۔ کانپور کے جرنلسٹ اور شہری ایک بڑی تعداد میں خواجہ صاحب کے مکان پر گئے اور ان کے اعزا سے اظہار تعزیت کیا۔

بڑودہ میں بین الاقوامی طبّی مرکز کا قیام

ایڈنبرا یونی ورسٹی، عالمی صحت تنظیم اور گجرات اسٹیٹ بڑودہ یونی ورسٹی کے میڈیکل اسکول میں ایک مضبوط طبی مرکز کو فروغ دینے کے لئے مل کر کام کر رہے ہیں۔

ایڈنبرا یونی ورسٹی نے چھ برسوں کے لئے مختلف مضامین پڑھانے والے چھ ٹیچروں کی خدمات بڑودہ یونی ورسٹی کو مستعار دی ہیں۔ پانچ ڈاکٹروں کا پہلا گروپ ماہ جون میں درسی سال کے شروع ہونے سے قبل ہندوستان پہنچ جائے گا۔

اس منصوبے کے تحت بڑودہ یونی ورسٹی کے عملے کے بعض ممبران تربیت کی خاطر ایڈنبرا جائیں گے۔ طلبہ کے تبادلے کی ایک اسکیم پر بھی عمل درآمد ہوگا۔

دلّی سے ایک نئے انگریزی اخبار کا اجراء

نئی دہلی۔ ۳۰ مارچ۔ راجدھانی میں آج انگریزی کے ایک اور روزنامے ——— پانچویں روزنامے کا اضافہ ہوا اس کا نام "پیٹریٹ" یعنی "محب وطن" ہے۔

اخبار نے اپنے پہلے شمارہ میں جو آج بازار میں آیا یہ عہد کیا ہے کہ وہ ملک میں معاشی تعلقات میں سماجی انصاف کا علمبردار رہے گا اور انتظامیہ میں جہاں جہاں بدعنوانیاں نظر آئیں گی انکے خلاف جدوجہد کریگا۔

اخبار نے صفحۂ اول پر جو اداریہ شائع کیا ہے جس میں اپنی پالیسی بیان کی ہے اخبار نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو اس طرح خبریں پہنچائے گا کہ وہ سیاسی پارٹیوں یا ایسے گروہوں کے رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہوں جن کے مفادات بعض خاص چیزوں سے وابستہ ہیں۔ اس نئے اخبار کا خیر مقدم مجلہ دستور کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد، وزیر اعظم نہرو، صدر کانگریس مسٹر سنجیوا اور کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے کیا ہے۔

(قومی آواز)

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

کیلاش ورما شایق مرحوم

پورا نام کیلاش ورما اور شایق تخلص۔ تاریخ ولادت غالباً ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام اقبال ورما سحر تھا جو ایک کہنہ مشق شاعر اور ایک مسلم الثبوت ادیب تھے۔ شایق مرحوم کا مقام ولادت و سکونت قصبہ ہنگام ضلع فتحپور (یو۔پی) ہے۔ آپ کا تعلق کالیستھ سری واستو فرقے سے ہے۔ فتحپور گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک اور آگرہ یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔

غالباً آپ نویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ آپکی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے ہوا لیکن اس وقت اتنی جرأت نہ تھی کہ کسی رسالہ میں کلام چھپنے کے لئے بھیجتے۔ خود ہی لکھتے اور خود ہی پڑھ پڑھ کر محظوظ ہوتے۔ اسی زمانے میں ایک مقامی مشاعرہ میں بھی شرکت کی۔ غزل کے مقابلے میں آپ نے نظم کو ترجیح دی اور رفتہ رفتہ نظم ہی لکھنے لگے۔ ان کی سب سے پہلی نظم "بسنت رت" ۱۹۳۳ء میں رسالہ "زمانہ" کانپور میں شایع ہوئی۔ اس کے بعد متعدد غزلیں "بیچ" دہلی دہلی میں شایع ہوئیں۔ رسالہ "ایشیا" میرٹھ اور "شاہکار" لاہور میں بھی آپ کا کلام شایع ہوا۔

۱۹۳۴ء میں آپ کو ہندی ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی یوں تو آپ ہندی زبان سے بے بہرہ نہ تھے لیکن اب ہندی زبان کا آپ نے باقاعدہ مطالعہ شروع کیا اور چند ہی ماہ کے عرصے میں آپنے ایک ہندی مضمون لکھا۔ اسے آپ کی خوش قسمتی سمجھیے کہ آپ کا پہلا ہی مضمون ہندی کے مشہور و معروف رسالہ "مادھوری" (لکھنؤ) میں شایع ہوا۔ مضمون کا شایع ہونا تھا کہ آپ کا رجحان ہندی کی طرف اور بڑھا اور برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آپنے ہندی میں متعدد مضامین لکھے جو ہندوستان کے مشہور و معروف رسائل میں وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے۔ ہندی میں کچھ کہانیاں بھی لکھی ہیں جو "کرم یوگی" اور "گلدستہ" میں شایع ہو چکی ہیں۔

ستمبر ۱۹۴۳ء میں آپ کے والد بزرگوار نے وفات پائی ان کے انتقال پر دل و دماغ پر گہرا اثر ہوا اور ایسی ٹھیس لگی کہ طبیعت نے دفعتاً پلٹا کھایا۔ شعر و شاعری سے دلچسپی کم ہونے لگی۔ مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی قریب قریب بند ہی ہو گیا۔ سحر مرحوم کی وفات کے بعد انھوں نے پندرہ بیس نظمیں ہی کہی ہیں جو رسالہ "زمانہ" میں شایع ہوئیں۔ ۱۹۴۶ء میں شایق مرحوم بھی ہم کو داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا کوئی مجموعہ شایع نہیں ہوا۔

شایق مرحوم اپنے عہد کے جوان شاعروں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتے تھے، وہ غزلیں بھی کہتے تھے اور نظمیں بھی۔ اُن کی غزلوں میں ترنم، تاثیر اور درد ہے اور غزل گوئی میں جابجا اصغر گونڈوی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ نظموں میں تاثیر، حلاوت اور شیرینی کے علاوہ خیال کی ندرت، اسلوب کی دل کشی اور حسن آفرینی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔

تین غزلیں اور دو نظمیں ملاحظہ ہوں:

غزلیات

کبھی ہوں رنگِ حقیقت کبھی مجاز ہوں میں
جہانِ راز ہیں در اصل ایک راز ہوں میں
رہینِ غم ہوں مگر غم سے بے نیاز ہوں میں
کہ خود ہی درد ہوں اور خود ہی چارہ ساز ہوں میں
نیاز ختم ہے مجھ پر تمام ناز ہوں میں
جو آپ اپنا ہے محمود وہ ایاز ہوں میں
قبول ہو کے رہا رنگ نا تمامیِ عشق
نظر میں حُسنِ مکمل کے سرفراز ہوں میں
نفس نفس سے ہے آہنگِ زیست کا اظہار
ہزار راز کے پردوں کا ایک ساز ہوں میں
عجب ہے کیا جو حقیقت سے دور ہوں شایق
فریب خوردۂ نیرنگیِ مجاز ہوں میں

ان آنکھوں سے ساغر لئے جا رہا ہوں — پئے جا رہا ہوں پئے جا رہا ہوں
وفاؤں کے تحفے لئے جا رہا ہوں — گناہِ محبت کئے جا رہا ہوں
کبھی تو مری یاد آئے گی تجھ کو — تری یاد ہر دم کئے جا رہا ہوں
میں جاتا تو ہوں بزم سے تیری لیکن — تصور کو تیرے لئے جا رہا ہوں
نمازِ محبت ادا ہو رہی ہے
ترے در پہ سجدے کئے جا رہا ہوں

عشق کی مدہوشیاں تھیں حُسن کا افسانہ تھا
وہ بھی عالم تھا کہ عالم ہوش سے بیگانہ تھا
حُسن خود ہی رازدارِ عشق تھا ہر رنگ میں
شمع کی لَو میں نہاں سوزِ پروانہ تھا
بے نیازِ رنگ و بو، بیگانۂ کیف و سرور
زندگی کیا سر بسر چھلکا ہوا پیمانہ تھا
کچھ زمیں تک ہی نہ تھی محدود میری داستاں
اس سے پہلے ماہ و انجم میں مرا افسانہ تھا
ہو گئی تعبیر جس سے کائناتِ حُسن و عشق
منزلِ ہستی میں شایق وہ دلِ دیوانہ تھا

نظم

برسات کا سماں

کتنی دل کش کتنی پیاری ہے ادا برسات کی
ہے تر و تازہ کئی عالم ہوا برسات کی
یہ سہانا وقت یا رب یہ گھٹا برسات کی
لے رہی ہے چٹکیاں دل میں فضا برسات کی
ہے زمیں سے آسماں تک دل کشی چھائی ہوئی
فطرتِ رنگیں ادا پر بے خودی چھائی ہوئی

کالی کالی بدلیاں ہیں یہ کہ زلفِ عنبریں
جلوۂ قوسِ قزح کیا ابروئے ماہ جبیں
ہے فضا کے رنگ میں خود رنگِ رخسارِ حسیں
سربسر فردوس کا منظر ہے بر روئے زمیں
کس کی رعنائی پہ صدقے دین و ایماں ہو گیا
وقفِ جامِ بے خودی زہد مسلماں ہو گیا

ہے فضا ساون کی اور چھائی ہوئی برسات ہے
اودی اودی ہیں گھٹائیں کالی کالی رات ہے
ہر فضا میں کیف ہے یا محشرِ جذبات ہے
کیا کہوں اس فصل میں کیا جوشِ محسوسات ہے
ہر طرف خود اُٹھتی جاتی ہے نگہ مستانہ وار
جھوم اُٹھتے ہیں بہر سو مرغزار و لالہ زار

ہندو دیوی

بطن سے ماتا کے آج اک نازنیں ہے جلوہ گر
نازنیں ہے جلوہ گر یا مہ جبیں ہے جلوہ گر
کرشن کی بنسی سے گویا ہے یہ پیدا راگنی
کر رہی ہے معجزے اپنے جو پیدا راگنی
موج گنگا میں اٹھی اور روشنی لے کر اٹھی
ہر تھپیڑے میں پیامِ زندگی لے کر اٹھی
پدمنی کا روپ ہے سیتا کا یہ اوتار ہے
زندگی اس کی ہے یا اک حسن کا گلزار ہے

جس طرح پھولے کوئی دل کش کنول تالاب میں
اور کر دے نقشِ گل بوٹے روائے آب میں
جس طرح ہو چاندنی کون و مکاں میں نور بار
جس کی سحر آگیں شعاعوں میں غضب کا ہو نکھار
ابر نیساں سے گہر ریزی ہو پیہم جس طرح
مرغِ نغمہ سنج ہو کیف مجسم جس طرح
حسن کی یہ پاک دیوی بھی حیا پیکر بنی
آفتاب آسا ہوئی روشن مہِ انور بنی

پاک صورت، پاک سیرت، پاک باطن، پاک خو
کتنی پاکیزہ فضا میں اس نے پایا رنگ و بو
غنچہ لب، غنچہ دہن ہے، رشکِ صد گلزار ہے
آتش افروزِ محبت سرخیٔ رخسار ہے
اپسراؤں نے کھلا کر گود میں پالا اُسے
حسن کے سانچے میں کس انداز سے ڈھالا اسے
دیکھ کہاں روئے زمیں پر اس کے نام و خم کے حسیں
اس کی صورت پر تصدق ایک عالم کے حسیں

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں ناضروری ہیں)

وہ ایک لمحۂ جاوداں

مصنف: کشور زیدی
ناشر: انڈین اکیڈیمی ۲۹ زینندرا پیلیس۔ نئی دہلی
سائز: ۲۰×۳۰ / ۱۶۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت دو روپے

دلِ ناداں

مصنف: کرشن موہن
ناشر: انڈین اکیڈیمی ۲۹ زینندرا پیلیس۔ نئی دہلی
سائز: ۱۸×۲۲ / ۸ صفحات ۱۹۰۔ قیمت چار روپے

بھارت اور آجکل

مترجم: عبداللطیف اعظمی
ناشر: پبلیکیشنز ڈویژن۔ دہلی
سائز: ۱۸×۲۲ / ۸ صفحات ۷۴ قیمت ۷۵ نئے پیسے

شکار نامہ

مرتب: ڈاکٹر ثمینہ شوکت
ناشر: مجلس تحقیقات اردو۔ حیدر آباد دکن
سائز: ۲۰×۳۰ / ۱۶۔ صفحات ۱۱۵۔ قیمت دو روپے

فرشتے کہہ رہے ہیں

مصنف: طاہر
ناشر: طاہر بک ڈپو۔ بمبئی ۸
سائز: ۲۰×۳۰ / ۱۶ صفحات ۱۴۴۔ قیمت تین روپے

ستارے اور سیارے

مصنف: جلیل عرشی
ناشر: محسن رضا۔ کاشانۂ حافظ۔ کامٹی
سائز: ۲۰×۳۰ / ۱۶۔ صفحات ۱۱۲

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ۔ پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا